لطائف اکبری نادر قلمی ملفوظ

خواجہ علی اکبر مودودیؒ (م ۱۲۰۹ھ) کے احوال واقعی

جناب مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی ۔ استاد دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

صاحب ملفوظ اور ملا ولی میں تصوف کے مسائل پر بات چیت ہوتی رہی دوران گفتگو میں خواجہؒ مودودی نے پوچھا:

مولانا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ در تحقیق معارف فصوص الحکم بر کدامی شرح از شروح فصوص الحکم وثاق می نمودند و تحسین می فرمودند ومختار خود می گردانیدند۔

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ فصوص الحکم کے نکتوں کی تحقیق کے سلسلے میں فصوص کی شرحوں میں سے کس شرح کو معتبر مانتے تھے اور کس شرح کی تعریف کرتے اور پسند فرماتے تھے۔

ملا ولی نے جواب میں بتایا کہ ملا صاحبؒ کے مطالعے میں علامہ جامی کی شرح، قیصری کی شرح اور شیخ محب اللہ الہ آبادی کی دونوں شرحیں عموماً رہا کرتی تھیں اور شیخ صدر الدین قونوی کی شرح بھی مطالعے میں رہتی تھی۔

خواجہ مودودی: شیخ صدر الدین قونوی نے جو صاحب فصوص الحکم شیخ محی الدین ابن عربی کے سجادہ نشین تھے خصوص الحکم کی کوئی شرح تو لکھی نہیں ہے ہاں شیخ مؤید الدین جندی کی استدعا پر فصوص الحکم کے خطبے کی ایسی تشریح لکھ دی تھی ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ فصوص الحکم کے تمام مطالب و معارف کی اس سے تشریح و تنقیح ہو گئی۔"

ملا ولی:۔ "یہی صحیح ہو گا۔"

اس کے بعد ملا ولی فرنگی محلی نے کہا "تصوف بہت مشکل فن ہے جس شخص کو اچھی طرح

منطق نہ آتی ہو اور فلسفہ کے مبادیات پر پورا عبور نہ ہو اس کو تصوف کی کتابوں اور خاص شیخ ابن عربی کی تصانیف کے مطالعے سے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، علم تصوف کے لئے منطق و فلسفہ کا علم ضروری ہے ۔

خواجہ مودودی :- آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں درست ہے مگر مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

دفتر صوفی سواد و حرف نیست　　جز دل اسپید ہم چوں برف نیست

اور پوری مثنوی اسی قسم کے بیانات سے بھری ہوئی ہے، اور شیخ ابن عربی نے بھی فصوص الحکم کی کوئی فص ایسی نہیں ہے جس میں یہ نہ کہا ہو کہ اس فن (تصوف) کے نکتوں کا ادراک قوت عاقلہ و مفکرہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا فلسفہ کے مبادیات کے ذریعہ اس فن تک راہ طے نہیں کی جا سکتی ان معارف اور نکات کا انکشاف و ادراک، کشف و شہود کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہیں ہو سکتا .... اس فن کے جاننے والوں کا اس بارے میں اجماع ہے اور تصوف کی کتابوں میں اس کا مفصل ذکر موجود ہے کہ تمام متقدمین و متاخرین ایک زبان ہیں کہ مقدمات کشفیہ اور علوم و اسرار شہودیہ کا ادراک عقل و فکر کے ذریعہ محالات میں سے ہے ایسی صورت میں علم منطق پر، جس کے اوراق سے بعضوں کے نزدیک استنجا تک جائز ہے، طبقۂ عالیہ صوفیہ کے اعلیٰ نکتوں کا سمجھنا کیسے موقوف ہو سکتا ہے، جب علم کلام تک، جو ایک منزل علم ہے جیسا کہ علما نے تصریح کر دی ہے، صوفی علما اور فضلا کے نزدیک درجۂ اعتبار سے ساقط ہے تو منطق و فلسفہ کا کہاں گذر ہے؟

ملا ولی :- یہ تو مشہور و مسلم ہے کہ بغیر علم ظاہری کے فن تصوف پر عبور نا ممکن ہے۔

خواجہ مودودی :- یہ جو آپ کہہ رہے ہیں اور بات ہے ..... علم امکانی اور چیز ہے اور علم وجوبی اور چیز، اور علم وجوبی متعارف علم (یعنی علم امکانی) کی ضد ہے، اس علم وجوبی اور اس کے حصول کے طریقے کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں واضح اشارہ موجود ہے۔

واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمائے گا) یہی علم (علم لدنی) ہے جو اہل اللہ کو بغیر کسی مادی ذریعہ کے نصیب ہوتا ہے اور ایسے ہی ایک اپنے بندے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (علمناہ من لدنا علما (ہم نے اپنی طرف سے اس کو پڑھا دیا) اور یہ جو آپ نے کہا علم ظاہری کے حصول کے بغیر صوفیا اور عرفا کے معارف اور نکات کا سمجھنا امکان سے باہر ہے تو پھر (حضرت سید) شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کے بارے میں (جو علم ظاہری سے بالکل ناواقف تھے اور علمائے فرنگی محل کے سلسلۂ بیعت کے مرشد تھے) آپ کیا کہیں گے؟

ملا محمد ولی:۔ ایسا بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔

خواجہ مودودی:۔ یہ درست ہے کہ ایسا ہونا بہت شاذ و نادر ہے لیکن اس گروہ کے کئی حضرات کے لیئے اس سے بھی زیادہ کتابوں میں ملتا ہے اور یہ ثابت شدہ ہے۔

ملا محمد ولی:۔ اگر درحقیقت یہی صورت حال ہے (کہ بے علم ظاہری کے باطنی علوم حاصل ہو جاتے ہیں) تو ان حضرات صوفیہ کی معارف وحقائق کے بارے میں تصانیف محض تضییع اوقات اور فعل عبث ہوئیں؟

خواجہ مودودی:۔ بات یہ ہے کہ حضرات صوفیا پر بسا اوقات ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ اگر اس وقت وہ کسی کام میں مشغول نہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے رعب سے مضمحل (کمزور) اور لاشئی (معدوم) ہو جائیں اور تجلیات کی تڑپ اور چمک سے جل کر ختم ہو جائیں، اس وقت یہ حضرات خود کو دانستہ دوسرے کام میں مشغول کر لیتے ہیں، یہ اس وقت ہوتا ہے جب حالت تجلی میں ان کے وجود اور لوازم وجود کا کچھ نہ کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے اور اگر سارا وجود تجلی میں گم ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول (علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام) ان کو بغیر اس کے کہ ان کو خود احساس ہو،

مشغول کر دیتا ہے اور اس میں راز اور فائدہ یہ ہے کہ اس گروہ کا کوئی آدمی جب فن تصوف میں دخل رکھتا ہے اور اس کے نفس کا تزکیہ اور اس کے قلب کا تصفیہ اس حد تک ہو چکا ہے کہ مکاشفات مشاہدات تک اس کی رسائی ہو گئی ہے تو وہ اپنے مقدمات مکشوفہ و مشہودہ کو اپنے گروہ کے کسی ایک شخص سے مفصل بیان کر دیتا ہے یا اس مقام سے دوسرے بلند مقام تک اس کو عروج نصیب ہو جاتا ہے،...... اسی طرح یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص دولت تزکیہ نفس و تصفیہ قلب سے بے بہرہ ہے تو وہ محض صوفیوں کی تصانیف پڑھ کر ان کے نکات و معارف کا ادراک نہیں کر سکتا ہے چنانچہ کہنے والا کہتا ہے ؎

بقیاسات عقل یونانی نتواں یافت راہ ایمانی

گر ز منطق کسے ولی بودے شیخ سنت ابو علی بودے

ملا محمد ولی:۔ وحدت الوجود کے مسئلہ حقہ کے ثبوت کے لئے میرے پاس کئی عقلی دلائل اور نظری براہین ہیں جن کو رد کرنا یا ان پر اعتراض کرنا ممکن نہیں ہے۔

خواجہ مودودی:۔ علمائے حق کا اتفاق ہے کہ معرفت خداوندی کے لئے کسی بھی دلیل کی ضرورت نہیں ہے چہ جائیکہ عقلی دلیل اور نقلی برہان، اگر آپ گروہ صوفیہ کی تصانیف کا بغور مطالعہ فرمائیں گے تو جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اس کی پوری طرح وضاحت ہو جائے گی اگر آپ خود دائرہ تصوف میں قدم رکھیں گے تو صوفیاء کی تصانیف میں جو کچھ تحریر ہے اس کی حقیقت و صداقت آپ پر خود منکشف ہو جائے گی یہ تو تسلیم شدہ بات ہے کہ دلیل کو مدلول سے واضح اور روشن ہونا چاہئے اور حق سبحانہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی چیز واضح اور جلی نہیں ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

گر دلیلت باشد از وے رو متاب"

اس تمام گفتگو کے بعد خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ نے ملا محمد ولی فرنگی محلی سے فرمایا "اچھا وحدت الوجود کے مسئلہ پر جو سب سے مضبوط دلیل آپ کے پاس ہو اسے پیش کریں، ملا ولی نے ایک دلیل پیش کی، خواجہ مودودی نے فرمایا یہ تو مسئلہ کی تشریح ہوئی اس پر دلیل کیا ہے؟ ملا محمد ولی نے اپنی دلیل کی مزید وضاحت کی جس پر خواجہ مودودی نے نقد کیا ملا ولی نے اپنی دلیل کے ثبوت میں ایک اور دلیل دی جس پر خواجہ مودودیؒ نے فرمایا "یہ وہی دلیل ہے جسے میر زاہد نے اپنے حواشی میں یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ یہ ان کی خود ایجاد کردہ دلیل ہے مگر یہ دلیل بھی مخدوش ہے چنانچہ مولوی احمد علی اور آپ کے بھائی مولوی حسن (ملا حسن فرنگی محلی) نے اس پر اعتراض کیا ہے اور اسے ساقط قرار دیا ہے۔۔۔۔

ملا محمد ولی فرنگی محلی نے اعترافِ شکست کر لیا اور تبسم کے ساتھ کہنے لگے "حقیقت یہی ہے کہ گروہ صوفیاء کے معارف اور نکات تابعِ حال ہیں جب تک حال وارد نہ ہو ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا، فقیر انشاء اللہ پھر حاضرِ خدمت ہوگا اور گروہ صوفیاء کے مسائل کے بارے میں جہاں کہیں شک محسوس کرے گا آپ سے اس کی تحقیق کرے گا۔ اس زمانے میں آپ کا وجود بے حد غنیمت ہے ایسے لوگ نادرات زمانہ میں ہیں، میں نے آپ کے اوصاف بہت سے علماء اور طلباء سے سنے تھے، مگر اس سے سوگنا زیادہ آپ کو پایا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس زمانے میں بھی ایسے عارفین موجود ہیں۔"

خواجہ مودودی:۔ (انکساری کے ساتھ) "یہ سب آپ کا حسن نظر اور لطافت ظن ہے فقیر تو جاہل محض ہے۔"

ملا محمد ولی:۔ آپ نے تحصیل علوم کس سے کیا؟

خواجہ مودودی:۔ اس سوال کے جواب میں ایک واقعہ سن لیجئے جو حضرت سری سقطی کے احوال میں نفحات الانس میں درج ہے کہ حضرت جنید بغدادی بیان کرتے تھے کہ میں حاضر خدمت تھا اور کچھ لوگ قیام گاہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت سری سقطی نے

مجھ سے فرمایا کہ دروازے پر کوئی غیر اور بیگانہ تو نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں ایک درویش کام کی تلاش میں ہے۔ فرمایا اس کو بلالو۔ میں نے اندر بلالیا حضرت سری اس سے بڑی دیر تک ...... باتیں کرتے رہے اتنی باریک اور نازک گفتگو ان دونوں کے درمیان ہو رہی تھی کہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور میں پریشان ہو رہا تھا آخر میں حضرت سری سقطی نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے کس سے پڑھا ہے؟ درویش نے جواب دیا ہرات میں میرا ایک استاد ہے جس سے فرائض نماز مجھے سیکھنا ہیں۔ جہاں تک علم توحید (معرفت خداوندی) کا تعلق ہے اس کی تلقین وہ مجھے کرتا رہتا ہے۔ حضرت سری سقطی نے فرمایا، جب تک یہ علم خراسان میں اپنی جگہ قائم ہے اس وقت تک ہر جگہ یہ علم موجود رہے گا اگر وہاں سے ختم ہو گیا تو پھر کہیں بھی اس کو نہیں پاؤ گے، اس کے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ فقیر کا سلسلہ بھی اسی جگہ سے ہے۔" (لطائف اکبری جلد اوّل صفحات ۱۱۸ تا ۱۲۳)

ملا محمد ولی کے براہ راست سوال پر کہ آپ کو تلمذ کس سے ہے؟ خواجہ مودودی ایک حکایت بیان کرنے کے بعد صرف اتنا کہتے ہیں "مجھے بھی اسی سلسلے سے سب کچھ حاصل ہوا ہے۔" ظاہر ہے کہ وہ سلسلہ جو حکایت میں مذکور ہے محض روحانی سلسلہ ہے یعنی تلمذ ظاہری کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ تلمذ ظاہری سے یکسر بے تعلق رہنے کے باوجود خواجہ مودودی، ملا محمد ولی فرنگی محلی کے ایسے فاضل اجل اور معقولی سے مباحثہ فرماتے ہیں ملا محمد ولی نہ صرف یہ کہ استاذ الہند ملا نظام الدین کے شاگرد رشید تھے بلکہ بڑے معقولی بھی تھے انھوں نے منطق کی کتاب سلم کی ایسی بے مثل شرح لکھی ہے کہ اس کے بارے میں "آمد نامہ" کے مصنف علامہ فضل امام خیر آبادی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ شرح ملا نظام الدین فرنگی محلی کے ملاحظے سے گذری تھی اور ملا نظام الدین نے اس میں جابجا اصلاح کی تھی، تو ایسے ماہر علوم عقلیہ سے بحث کے دوران خواجہ مودودیؒ میر زاہد ہروی کے ایسے مسلم الثبوت استاد معقولات کی تصانیف کا حوالہ دیتے ہیں، حوالہ ہی نہیں دیتے بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اگرچہ یہ دلیل خود

میر زاہد ہروی کی اختراع ہے جس پر انھوں نے فخر بھی کیا ہے مگر اس دلیل کو مولوی احمد علی (غالباً سندیلوی) اور ملا حسن فرنگی محلی نے رد کر دیا ہے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ خواہ خواجہ مودودی نے کسی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، علوم متعارفہ میں بھی، علاوہ صوفیانہ معارف ونکات کے، ان کی نظر بہت وسیع تھی نہ صرف نظر وسیع تھی بلکہ ان امور پر ان کو عبور کامل حاصل تھا، یہاں تک کہ ان معقولی علمائے وقت سے بھی جن کی زندگی کا حاصل ہی درس وتدریس، منطقی موشگافی اور ذہنی جولانی تھا، خالص معقولی بحث میں دو دو بدو ہونے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ ملا محمد ولی فرنگی محلی شارح سلّم العلوم، معمولی یا متوسط درجہ کے اہل علم نہ تھے۔ اپنے مشہور زمانہ بھائی ملا حسن فرنگی محلی سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ ان سے بھی زیادہ ثقہ اور مستند مانے جاتے تھے۔ نیز استاذ الہند ملا نظام الدین بانیِ درس نظامی کے شاگرد رشید ہونے کے علاوہ ملا صاحب کے بعد ان کے مدرسہ (واقع فرنگی محل) میں" مدرس قومی خدمت" آخر تک رہے ہیں ان کا انتقال ملا نظام الدین کے ۳۰ سال بعد ۱۱۹۸ھ میں فرنگی محل ہی میں ہوا، ان کے نامور فرزند ملا مفتی محمد ظہور اللہ جوان ہی کے شاگرد تھے مصنف وقائع قادر خاں کے الفاظ میں "صنادید فرنگی محل" میں تھے۔ یہ اپنے وقت میں استاد عصر گذرے ہیں، (وفات ۱۲۵۶ھ) ایک خاندانی تحریر کے مطابق ملا محمد ولی کے شاگردوں میں مشہور اردو شاعر انشاء اللہ خاں انشا بھی تھے اور خیر آبادی سلسلۂ معقولات کے استاذ اول مولانا عبد الواجد خیر آبادی بھی ملا محمد ولی کے شاگرد تھے خیر آبادی سلسلے کے نامور اساتذہ علامہ فضل امام خیر آبادی اور ان کے مشہور عالم فرزند علامہ فضل حق رام پوری گذرے ہیں۔

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہی ہے کہ خواجہ سید علی اکبر مودودی کا سارا علم، علم لدنی تھا جس میں کسب واکتساب کا کوئی دخل نہ تھا لیکن ان کے ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ علوم ومعارف تصوف کے وہ فقہ تفسیر حدیث کلام معقولات اور تاریخ پر اسی طرح گفتگو کرتے تھے جیسے ان فنون کا کوئی ماہر گفتگو کرتا۔

خواجہ مودودیؒ نے اپنے حالات زندگی بھی اجمالاً خود بیان کئے ہیں جنہیں جامع ملفوظ خواجہ حسن نے "لطائف اکبری" کے لطیفۂ دوم میں ـــــ ان ملفوظات میں جو دوسرے ثقہ راویوں سے سن کر لکھے

گئے۔ مکمل درج کر دیا ہے،

خواجہ حسن لکھتے ہیں کہ ایک محفل میں "سیر و تفریح" کی گفتگو چھڑ گئی اس سلسلے میں خواجہ مودودی نے ابتدا سے لے کر آج تک کے اپنے سیر سفر کے حالات اجمالاً بتائے۔ انھوں نے فرمایا:۔

"ایک عزیز سے دلی لگاؤ کے نتیجے میں میرے سر میں سودا اور ہلچل پیدا ہو گئی، بعض اسباب کی بنا پر مجھے اس عزیز سے ترک تعلق کرنا پڑا اور بن جنگلوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔ خوش قسمتی سے اس زمانے میں گاہ گاہ حضرت پیر و مرشد حقیقی قدس سرہ کی خدمت میں، جو بیرون آبادی صحرا میں قیام پذیر رہتے تھے، حاضری ہو جایا کرتی تھی کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت پیر و مرشد کی خدمت ہی میں رات گذارتا تھا، اپنی بے پناہ شفقت کی بنا پر میری آشفتہ حالی اور دل ریشی کو دیکھ کر فرمایا "اگر کبھی کبھی ذکر میں تمہاری مشغولیت رہا کرے تو کیا کہنا" میں نے عرض کیا ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا

مختصر یہ کہ ایک رات حضرت پیر و مرشد "ذکر ذات" بالجہر کر رہے تھے، جس سے میں نے اپنے اندر غیر معمولی اثر محسوس کیا اور عرض کیا "اگر حکم ہو جائے تو آپ کے ساتھ ساتھ میں بھی ذکر کروں" فرمایا "کوئی حرج نہیں" اس اجازت کے بعد میں نے حضرت کے ذکر کے ساتھ ساتھ ذکر شروع کر دیا۔ اس طرح جب کئی راتیں ہو گئیں تو حضرت نے ذکر موقوف فرما دیا، جب میں نے اس کے جاری رہنے کی استدعا کی تو فرمایا "بوڑھا ہو گیا ہوں (مسلسل) ذکر کی طاقت مجھ میں نہیں رہی ہے"۔ جب میں نے اپنے لئے ذکر کی اجازت چاہی تو اجازت مرحمت فرما دی، اس دوران میں اپنے عزیز سے جو قلبی تعلق تھا وہ ذکر کی صورت میں تبدیل ہو کر ذکر مع اذکار سے ہو گیا، اب میں نے حضرت پیر و مرشد سے درخواست کی کہ مجھے مرید فرمالیں، انکار کر دیا، کئی بار اس طرح میں نے التجا کی اور اسی طرح ادھر سے انکار ہوا، رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ اس عزیز سے تعلق خاطر نے اللہ جل شانہ سے تعلق کا رنگ اختیار کر لیا۔

بالآخر ایک رات خود ہی اس بے یار و مددگار کی طرف توجہ فرمائی ۔۔۔ فرمایا کہ "مٹھائی لے کر آؤ" میں مٹھائی لے کر حاضر ہوا مجھے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں داخل کر کے بیعت سے مشرف فرمایا، الحمد للہ الحمید المجید، اس کے بعد تین مہینے اور چند روز خدمت میں حاضری کی سعادت سے سرفراز رہا، اور جن امور کا مجھے حکم فرمایا اس میں مشغول ہوا۔ اسی دوران سفر و سیر کا رجحان میرے دل میں پیدا ہوا۔ اور درویشوں کی وضع کے مطابق، صحرانوردی اختیار کر کے آوارۂ وطن ہو گیا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اسی صحرانوردی کے دوران سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الملۃ والحق والدین رضی اللہ عنہ کے روضۂ متبرکہ کی زیارت کو جاتا، ایک روز میرے مشفق بھائی سید کریم بخش مودودی سلمہ اللہ، بھی میرے ساتھ تھے، انھوں نے قسم دلا کر مذکورہ معاملہ (یعنی صحرانوردی یا عزیمت سے قلبی تعلق) کے بارے میں پوچھا، ان کو بتانا پڑا۔ انھوں نے قسم دلائی کہ اب سفر (صحرانوردی) کے لئے جب روانہ ہونے لگنا تو مجھے اس کی خبر ضرور کر دینا، اس کے کچھ دن بعد ہم نے (خواجہ مودودی اور سید کریم بخش مودودیؒ) اپنے خاندان کے مرید ایک گھرانے کی ایک بوڑھی بی بی کے یہاں ایک رات بسر کی اور آدھی رات تک گانا سنتے رہے پھر ہم الگ الگ اپنے گھروں کی طرف چل دیئے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد میرے اندر سفر کے لئے ایسی بے چینی پیدا ہوئی کہ اگر تھوڑا سا بھی توقف کرتا تو (شوق کی آگ میں) جل جاتا، جس حال میں تھا اٹھ کھڑا ہوا۔ جاڑے کا زمانہ تھا، میں نیمہ، روئی کا دگلا، ٹوپی اور عمامہ پہنے ہوئے تھا اور ایک رزائی بھی میرے پاس تھی ایک ڈوری سے جو بھیڑ کے سیاہ بالوں کی تھی۔ میں نے کمر باندھی اور ایک لکڑی ہاتھ میں لے لی، میری والدہ محترمہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جائے نماز پر تھیں۔ مجھے انھوں نے غور سے دیکھا۔ اور اشارے سے مجھ سے اس صورت حال کے بارے میں دریافت کیا، مجھے خیال ہوا کہ اگر اس تیاری کی اصلی وجہ بتادوں گا تو (میری جوانی کے تصور سے) بے چین ہو جائیں گی، عرض کیا، حضرت خواجہ قطب الدین ابن بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار کی زیارت کا قصد ہے کچھ عرصے وہیں رہوں گا۔ والدہ ماجدہ نے آبدیدہ ہو کر مجھے رخصت کیا۔ گھر سے نکل کر اپنے بڑے بھائی (کریم بخش مودودی) کے یہاں گیا وہ مجھے نہیں ملے، واپس چلے آنے کا ارادہ ہوا۔ پھر خیال آیا کہ اگر زندگی نے وفا نہ کی

(اور صحرا نوردی میں وقت موعود آ گیا) تو اپنے شفیق رشتہ داروں کی پھر زیارت کا موقعہ نہیں ملے گا، اپنی پھوپھو کی خدمت میں (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) حاضری دی وہ بھی جائے نماز پر بیٹھی تھیں ان کی زیارت کی سب بہنوں سے ملا، اور چلا آیا، بھائی (سید کریم بخش مودودی) سے ان بوڑھی بی بی جن کے یہاں رات گو گا نا سنا تھا پھر آنے کی استدعا کی تھی وہ وہیں چلے گئے تھے اس لئے ان بوڑھی بی بی کے یہاں گیا۔ دیکھا کہ ان کا سارا گھر حیران و پریشان ہے، ان کے قریب گیا تو وہ میرے سلام کو کھڑی ہو گئیں۔ دیکھا تو وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ میں نے وجہ پوچھی کہنے لگیں: جب آپ لوگ چلے گئے اور میری کنیزیں گانے میں مصروف تھیں، میں اپنے بچھونے پر آ کر سو گئی۔ اسی وقت میں نے خواب دیکھا کہ حضرت سید سلطان مودود چشتی رضی اللہ عنہ مجھ سے غصہ کے ساتھ فرما رہے ہیں "اس شہر سے باہر چلی جاؤ ورنہ اس لکڑی سے جو ہاتھ میں ہے مار مار کر ختم کر دوں گا۔" جاگ پڑی۔ اسی وقت سے پریشان ہوں کہ اگر اس شہر میں رہتی ہوں تو مر جاؤں گی۔"

لکھنؤ میں آمد بہر حال، ہوا یہ کہ میں اور میرے بھائی ایک ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہوئے اور "ضعیفہ بی بی" اپنا کثیر مال و متاع اور کنیز و خادم سب اسی طرح چھوڑ چھاڑ شاہ جہاں آباد (دہلی) سے باہر آ گئی۔ وہاں سے روانہ ہونے کے بعد دوسری منزل پر پہنچ کر مجھے خیال ہوا کہ یہ راستہ مجھے تنہا طے کرنا چاہئے۔ جس قافلے میں تھا اس سے الگ ہو کر ایک دوسرا راستہ میں نے پکڑ لیا پیچھے پیچھے میرے بھائی بھی آ گئے اور (ساتھ چلنے کے لئے) کوئی دلیل انھوں نے اٹھا نہ رکھی، اور اسی طرح میں قصبۂ لکھنؤ پہنچ گیا، یہاں مجھے اطلاع ملی کہ احمد شاہ درّانی (ابدالی) شاہجہان آباد (دہلی) میں آ گیا ہے اور وہاں کے باشندے سخت مصائب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ شاہ جہاں آباد میں میرے کئی رشتہ دار تھے ان کے بارے دلی تشویش پیدا ہوئی، قصبہ مذکور (لکھنؤ) کے باہر ایک درویش ملا جو بے حد وارستہ (مست و سرشار) تھا (یعنی جذب اخدا رسیدہ تھا) اس کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس سے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں کوئی (الہامی یا کشفی) خبر معلوم ہو۔ وہ اکیلا

بیٹھا تھا، میری طرف سے منھ موڑے موڑے اس نے میرے تمام رشتہ داروں کا نام بہ نام حال بہت تفصیل سے بتایا اور کہنے لگا "ان تردّدات سے (جو رشتہ داروں کے بارے میں ہیں) کیا حاصل؟ اپنے کو پہچاننے کی فکر کرنا چاہئے"۔ یہ سن کر میرے دل میں خیال آیا کہ "خود شناسی" کا طریقہ کیا ہوگا۔ درویش بولا "یہ کرو اور وہ کرو"۔ میں نے اس کے کہے کو سب یاد کر لیا، کچھ زمانے کے بعد وہ سب کچھ سامنے آگیا جو درویش نے (شاہ جہان آباد میں مقیم رشتہ داروں کے بارے میں) کہا تھا۔ بہر حال میں گھومتے پھرتے (لکھنؤ سے) محمد آباد بنارس پہنچا، وہاں پہنچ کر سفر کا جو جذبہ تھا وہ ہوا ہو گیا اور اپنے اندر پوری طرح یک سوئی کی کیفیت میں نے محسوس کی اور ہر قسم کی فکر سے بے تعلق اور یک سو ہو گیا اور اپنے دل کو واحد حقیقی کی طرف متوجہ پایا"۔ ص ۲۷۴ تا ص ۲۷۶

خواجہ مودودی کی اس "آپ بیتی" سے ان کے سوانح حیات کے کئی تاریخی پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ ایک تو یہی کہ جوانی میں ان کو کسی سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان کو آشفتہ مزاج بنا دیا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب وہ کسی کے مرید نہیں ہوئے تھے۔ مرید ہونے کے بعد ان کی آشفتگی جاتی رہی اور سیر و سیاحت کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ وہ دہلی سے چل کھڑے ہوئے منزلیں طے کرتے لکھنؤ آئے۔ وہاں سے محمد آباد بنارس پہنچ گئے۔ یہاں صحرا نوردی اور مسلسل سفر کے جذبۂ بے اختیار سے خالی ہو کر یاد الٰہی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ محمد آباد بنارس سے چلے تو سیر و سیاحت کے شوق میں نہیں بلکہ حج اور زیارت کے قصد سے روانہ ہوئے الہ آباد آئے، دہاں دم لینے کے لئے ٹھہرے۔ ابھی وہیں تھے کہ وہ کیفیت تلاوت قرآن شریف کے دوران پیدا ہو گئی جس کا ذکر اوپر ہوا اور:۔

"چوں طہارت نہ بود کعبہ و بتخانہ یکیست"

کے حامل خواب نے حج و زیارت کا قصد بھی فسخ کرا دیا اور طہارت حقیقی کے حصول میں منہمک ہو گئے۔

اس آپ بیتی کے دوران میں خواجہ علی اکبر مودودی نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے لیکن اس موقعہ پر انھوں نے پیر و مرشد کا نام صراحتاً نہیں لیا ہے صرف "پیر و مرشد حقیقی" سے کام چلایا ہے ـــــ اور یہ بہت قدیم دستور ہے کہ محترم ہستیوں کے نام ادباً کم ہی لئے جاتے

ہیں کنایتاً ذکر ہی پر عموماً اکتفا کرلی جاتی ہے ۔ یہ وہی ادب ہے جس کا اہتمام اس شعر میں ملتا ہے۵

ہزار بار بشویم دھن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یہ نہیں کہ "پیر و مرشد حقیقی" کا نام صاحبِ ملفوظ نے بالکل نہیں لیا ہے اور ہر جگہ صرف کنا یہ ہی استعمال کیا ہے ۔ جا بجا کنایہ کے بجائے صراحت بھی کی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ ان کے پیر و مرشد کا اسم گرامی سید محمد میر حسنی تھا اور ان کا عرف نزہتہ الخواطر میں "شیخ بھلن" بتایا گیا ہے مگر لطائف اکبری اور گلدستہ مودودی میں "شیخ بھلی" لکھا ہے (محض کتابت کا پھیر معلوم ہوتا ہے) ضمناً یہ بھی مل جاتا ہے کہ شیخ بھلی، خواجہ علی اکبر مودودی کے حقیقی چچا بھی تھے، پیر و مرشد تو تھے ہی، اور اس لطائف اکبری کے دوسرے صفحات سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شیخ بھلی کا سلسلۂ بیعت چشتیہ ہے جو، کٹرہ، دہلی، مانک پور، پنڈوہ کے مشائخ کے ذریعہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین محمد اولیاؒ کے توسط سے خواجۂ ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ تک پہنچتا ہے ۔ شیخ بھلی یا بھلن کے بارے میں اور تفصیلات نظر سے نہیں گذریں ۔

اس "آپ بیتی" سے یہ بھی وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ شاہ جہاں آباد (دہلی) سے چل پڑنے کا زمانہ وہ ہے جب مغلیہ تخت و تاج کا وارث نصیبوں کا مارا شاہ عالم عالی گوہر تھا، اس لئے کہ دہلی سے چل کر گھومتے پھرتے "قصبہ لکھنؤ" میں اپنے داخل ہونے کا متعین زمانہ خواجہ، مودودی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

برہمیں منوال بقصبۂ لکھنؤ رسیدم و روزیکہ داخل شدیم خبر م شد کہ احمد شاہ درانی در شاہ جہاں آباد شد و مردم آں جا بحوادث شدیدہ گرفتار شدند (ص ۲۲)	اسی انداز سے سفر کرتے ہوئے میں قصبۂ لکھنؤ پہنچ گیا جس روز قصبۂ لکھنؤ میں داخل ہوا ہوں مجھے اطلاع ملی کہ شاہ جہاں آباد (دہلی) میں احمد شاہ ابدالی (درانی) آیا ہے اور وہاں کے باشندے شدید قسم کے مصائب میں گرفتار ہو گئے ہیں ۔

(باقی)